یار وجٹ دا قول منظور ناہیں گوز شتر ہے قول روستائیاں دا

وارث شاہ جس علاقے کا رہنے والا تھا وہ علاقہ رنجیت سنگھ کے دادا چڑھت سنگھ سکر چکیہ کی آماجگاہ تھی۔ چڑھت سنگھ سیالکوٹ سے لے کر دریائے چناب تک دندناتا پھرتا تھا۔ چڑھت سنگھ اور اس کے ساتھیوں کے متعلق وارث شاہ کا یہ بیان قابلِ توجہ ہے:

جٹ چور تے یار تے راہ مارن ڈنڈھی موہندے تے سنھاں لانودے نے

وارث شاہ ایہ جٹ نے ٹھگ سبھے نرے ٹھگ ایہ جٹ جھنانودے نے [۳۸]

سکھ جاٹوں کے ہاتھوں وارث شاہ اور اس کے ہم مذہبوں کی جو گت بن رہی تھی اس پر جاٹوں کے خلاف نفرت کا اظہار ایک فطری جذبہ کی غمازی کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وارث شاہ نے ہیر میں جاٹوں کے خلاف سخت ترین الفاظ استعمال کیے ہیں [۳۹]:

احمد شاہ از غیب تھیں آن پوسی رب، سکھ جنڈیالے نوں جا سیانی

جب پنجاب کے مسلمان سکھوں کے ہاتھوں تنگ آتے تو وہ احمد شاہ کو یاد کرنے لگتے تھے۔ مندرجہ بالا شعر میں وارث شاہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ احمد شاہ پنجاب آ کر سکھوں کو لوٹتا تو مسلمانوں کو بھی معاف نہیں کرتا تھا۔ احمد شاہ کے سپاہی پنجاب کے دیہات سے ہزاروں کی تعداد میں نوجوان لڑکیاں اٹھا لے جاتے تھے۔ وارث شاہ نے اپنے ایک شعر میں اس کا ذکر یوں کیا ہے:

وارث شاہ کڑی نہ پنڈ وچہ رہی کائی فوجاں ہند تے ترک نے جا ہڑیاں نی

وارث شاہ کے زمانے میں پنجاب کے مسلمانوں کے لیے حملہ آور افغان، سکھ لٹیروں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ ہیر کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ افغانوں کو سکھوں سے زیادہ ہی خطرناک سمجھتے تھے۔ جب افغان حکمران سکھ لٹیروں کو پکڑ کر سزا دیتے تو وارث شاہ طنزیہ انداز میں کہنے لگتا:

۳۸؎ جھناں بمعنی دریائے چناب۔

۳۹؎ سکھوں کی بارہ مثلوں میں سے چھ مثلیں جاٹوں کی تھیں، چڑھت سنگھ سکر چکیہ بھی جاٹ تھا۔

چور ماری دا ویکھیے چلو ساہد وارث شاہ ایہہ ضبط سرکار دی اسے

احمد شاہ ابدالی نے تیسرے حملے میں عبداللہ خان کو کشمیر پہ فوج کشی کا حکم دیا اور اس نے مغل گورنر عبدالقاسم خان کو شکست دے کر کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ احمد شاہ نے کشمیر کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے سکھ جیون مل کو وہاں کا گورنر مقرر کیا[۱] کچھ عرصہ بعد اس نے اپنے آقا سے بے وفائی کر کے مغل بادشاہ عالمگیر ثانی کی اطاعت قبول کر لی[۲]۔ احمد شاہ نے اسے اس غداری کی سزا دینے کے لیے شاہ ولی خان کو کشمیر پہ حملہ کرنے کا حکم دیا۔ شاہ ولی خان نے جموں کے راجہ رنجیت دیو کی، جو سکھ جیون مل کا مخالف تھا، امداد حاصل کر لی اور وہ افغانوں کی رہنمائی کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ ماہ جون ۱۷۶۲ میں افغانوں نے کشمیر پر حملہ کیا لیکن دریاؤں میں پانی کی تیز رفتاری کے باعث یہ مہم ترک کرنا پڑی۔ اسی سال ماہ اکتوبر میں افغانوں نے دوبارہ کشمیر پہ چڑھائی کی۔ سکھ جیون مل پچاس ہزار سپاہیوں کے ساتھ افغانوں کے مقابلہ کو نکلا لیکن عین میدانِ کارزار میں اس کے سپہ سالار بخت مل نے اس کے ساتھ غداری کی اور اس کے سپاہی اشارہ ملتے ہی میدانِ کارزار سے فرار ہو گئے۔ بخت مل کے یوں میدانِ جنگ سے فرار ہونے کے بعد سکھ جیون مل کی کمرِ ہمت ٹوٹ گئی اور وہ شکست کھا کر افغانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا[۳][۴] بخت مل کی اس غداری کی خبر جب وارث شاہ کو ملی تو اس نے کہا:

وارث شاہ فوج دار دے مارنے نوں سنتاں ماریاں دیکھ کشمیریاں نے

ہیر وارث شاہ میں اس طرح کی سیاسی تلمیحات کی کمی نہیں، اگر اس کتاب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع پہ مزید مواد مل سکتا ہے۔

---

[۱] ۱۔ غلام حسین طباطبائی، سیر المتاخرین، مطبوعہ نول کشور ۱۸۶۶، ج ۲، ص ۹۱۹

۲۔ ہری رام گپتا، لیٹر مغل ہسٹری آف دی پنجاب، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۴، ص ۱۶۸

[۳] میر غلام علی آزاد، خزانۂ عامرہ، مطبوعہ نول کشور کانپور، ص ۱۱۵

[۴] ہری رام گپتا، لیٹر مغل ہسٹری آف دی پنجاب، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۴، ص ۱۹۴

ڈاکٹر محمد ریاض

نظامِ فتوّت

باہمی تعاون کی ایک اہم اسلامی تحریک

تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ قرونِ اولیٰ سے لے کر حالیہ صدی کے اوائل تک اکثر اسلامی ممالک میں تعاونِ باہمی کا ایک زبردست نظام "نظامِ فتوت" یا "مسلکِ جوانمردی" (نیز دیگر ناموں کے ساتھ جن کا ذکر آئے گا) رائج رہا ہے۔ پروفیسر سعید نفیسی مرحوم نے اپنی تالیف "سرچشمۂ تصوف در ایران[1]" میں اس نظام کی وسعت کے بارے میں لکھا ہے: "نظامِ فتوت مسلمان ممالک میں اس قدر نمایاں صورت میں متداول رہا کہ تصوف کے علاوہ کوئی دوسرا نظام اس کی برابری نہیں کر سکتا۔" حقیقت یہی ہے کہ بعض ممالک میں اس نظام کا رواج تصوف کے تداول سے کسی طرح کم نہ تھا مگر چوں کہ اس نظام پر عامل افراد عوام الناس اور کم خواندہ تھے، اس لیے وہ اپنی سرگرمیوں کو تحریری طور پر محفوظ نہ کر سکے۔ اسی لیے یہ نظام تصوف تو کجا، اسلامی ممالک کی درجۂ دوم کی تحریکوں کے برابر بھی معروف نہ ہو سکا۔ اس کے باوجود ادیبوں، شاعروں اور صوفیوں نے جوانمردوں کے دلچسپ کارناموں کے بارے میں عربی اور فارسی زبانوں میں جستہ جستہ لکھا ہے۔ اس سرمائے کو جس حد تک ہم دیکھ سکے اس کا ایک اجمالی خاکہ مختلف ذیلی عنوانات کے تحت اس مضمون میں پیش کیا جا رہا ہے۔

فتوت کی اصطلاح

لفظ "فتوّت"، "فتی" سے وضع کیا گیا ہے جس کے معنی نوجوان، خدمت گار اور ساتھی کے ہیں۔ لفظ "فتیٰ" مفرد، تثنیہ اور جمع کی صورت میں قرآن مجید میں متعدد بار وارد ہوا[2] اور مذکورہ سہ گانہ

---

[1] مطبوعہ تہران ۱۳۴۴ھ۔ش، ص ۱۳۴

[2] النساء ۲۵، یوسف ۳۰، ۳۶، ۶۲ الکہف ۱۰، ۱۳، ۶۳ الانبیا ۶۰ اور النور ۳۳

معانی بہم پہنچاتے ہیں۔ ان آیات قرآنی میں حضرت ابراہیمؑ، یوشع بن نون (باختلاف) اور اصحاب کہف "فتی" کہلاتے ہیں۔ "فتوت" کی اصطلاح کافی بعد میں وضع کی گئی مگر اس کے معنی میں جوانی، دورِ جوانی، دادِ عیش دینا اور جوانوں کی سی حرکات کرنا شامل ہیں اور یہ سب معانی "فتی" سے مربوط ہیں[۳] "جوانمردی" فتوت کی ہم معنی فارسی اصطلاح ہے جیسے عربی کتب میں بھی عندالضرورت "جواں مردی"[۴] لکھتے رہے ہیں۔ "فتوت" یا "جوانمردی" کی اصطلاح کو ان اعلیٰ اخلاقی صفات کے لیے بولا جاتا ہے جن سے فتیان اور جوانمردوں کو متصف ہونا ضروری ہے، جیسے شجاعت، ایثار، راست گفتاری، رازداری، اتباعِ حق، مظلوموں اور کمزوروں کی مدد، خلوص، دوستی کا لحاظ رکھنا اور اکلِ حلال پر قانع رہنا وغیرہم۔ شیخ سعدی، گلستان (باب ہفتم) میں فرماتے ہیں:

"جوانمردی" ولطف است آدمیت   ہمین خاکِ ہیولائی پندار

"فتی" کی اصطلاح دورِ جاہلی کے ادبِ عربی میں موجود ہے۔ غیر معمولی سخی اور جنگجو شخص کو عرب اس لقب سے یاد کرتے تھے۔ متمم بن نویرہ کا شعر ہے:

اذا القوم قالوا من فتیٰ لعظیمة   فما کلھم یدعی ولکنه الفتیٰ

عمرو بن ودّ، عنتر بن شداد اور مرحب نامی پہلوان جو کئی جنگوں میں حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا ہوئے، ادبِ جاہلی میں فتیان کے عنوان سے مذکور ہیں۔ حاتم بن عبداللہ طائی یمنی (م ۵۷۵ء) اس دور کا ایک اور نامور "فتی" ہے جس کی جنگجوئی اور غیر معمولی ایثار و فیاضی کی داستانیں زبان زدِ خواص و عوام ہیں۔ شیخ سعدی نے "بوستان" میں اور میرزا محمد داراب جویا تبریزی کشمیری (م ۱۱۱۸ھ) نے اپنی ایک "مثنوی" میں حاتم طائی کے بعض جوانمردانہ واقعات کو زبانِ شعر میں بیان کر دیا ہے[۵]۔ بہرحال، سخاوت اور بہادری "فتوت" کے ضروری اجزا رہے ہیں۔ بنو امیہ کے عہدِ خلافت میں "فتی"

---

[۳] فیروز آبادی، قاموس المحیط جلد چہارم

[۴] ابن المعمار، کتاب الفتوة، بغداد، ۱۹۶۰، ص ۲۶۳

[۵] حاتم طائی کی بیٹی کی جواں مردانہ گفتگو، عکرمہ بن حاتم کے مسلمان ہونے اور حاتم کی زبان رسالت مآبؐ سے توصیف کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اثیر الکامل فی التاریخ، وقائع ۹ھ

کی اصطلاح بہادری و سخی کے معانی میں مستعمل نظر آتی ہے اور اب بھی اس اصطلاح میں یہ معانی و مفہوم شامل ہیں۔

فتوّت کا موضوعِ بحث

اسلامی دور میں فتوت و جوانمردی کی اصطلاح "مکارمِ اخلاق و اوصافِ انسانی" کے لئے استعمال ہونے لگی۔ عہدِ جاہلی کے "فتیان" میں جو فسادِ اخلاق تھا، دورِ اسلامی میں اس کا چلن نہیں ہو سکتا تھا۔ اب "مے نوشی" اور خواہ مخواہ کی "زور آزمائی" محمود ہونے کے بجائے مذموم قرار پائی۔ (مگر جیسا کہ بعد کے اوراق میں بیان ہوگا دورِ انحطاط و بے عملی کے "فتیان" نے پھر اپنی اصل کی طرف رجوع کیا ہے)۔ نظامِ فتوت کا موضوعِ بحث عربی اور فارسی "فتوت ناموں" اور جوانمرد صوفیہ کے اقوال کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے توضیح بیان کی خاطر یہاں ہم بعض متنوع اقوال و تعریفات[۵۶] کو بطورِ اختصار نقل کیے دیتے ہیں:

حضرت علیؓ سے منسوب ہے کہ فتوت کے چار ارکان ہیں۔ قوتِ انتقام کے باوجود دشمن کو معاف کر دینا۔ غصے میں تحمل اختیار کرنا۔ دشمن کو بھی اچھی نصیحت کرنا۔ اور اپنی حاجات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ممکنہ حد تک دوسروں پر بخشش کرنا۔

خواجہ حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ) کے اقوال ہیں: "اللہ تعالیٰ نے آیتِ کریمہ: ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی (النمل ۹۰) میں فتیان کے جملہ اوصاف کو بیان فرمادیا ہے۔ نیز یہ کہ "جوانمردی" رضائے خداوندی کی خاطر اپنے نفس کے ساتھ جنگ کرنے کا نام ہے"۔

حضرت امام جعفر صادقؒ کا قول ہے: "فتوت کی اصل وفاداری، صدق، امانت، سخاوت، تواضع اور دوسروں کو حسنِ نصیحت کرنے میں مضمر ہے"۔ امام موصوف ایک حدیث شریف کو مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتیان کی دس صفات بیان فرمائی ہیں "صدقِ قول، ایفائے عہد، امانت داری، جھوٹ سے پرہیز، یتیم سے ہمدردی، سائل پر بخشش، بذلِ مال،

---

۵۶ ماخوذ از تذکرۃ اولیا، طبقات الصوفیہ سلمی اور عبداللہ انصاری، کتاب الفتوۃ لابن المعمار، شاہ ہمدان، رسالہ فتوتیہ۔ سلمی، آداب الصحبۃ وحسن العشرۃ۔ سلمی رسالۃ الملامتیہ اور رسالۃ القشیریہ۔

دوسروں سے مہربانی کرنا، مہمان نوازی اور حیاداری۔"

شیخ معروف کرخی (م ۲۰۰ھ) نے فرمایا: "جوانمردی، دوسروں سے وفاداری، دوسروں کی خوبیوں کی قدردانی اور بے غرض و بے طلب بخشش کا نام ہے۔" معروف کرخی کا یہ قول بھی ہے: "فتیان کی تین خصوصیات اہم تر ہیں۔ وہ وفاداری کی خاطر کسی خطرے کی پرواہ نہیں کرتے، دوسروں کی تعریف و توصیف میں بے ریا ہوتے ہیں اور بے طلب بخشش کرتے ہیں۔"

ابو عبداللہ بن احمد مغربی کا قول ہے: "جوانمردی یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ حسنِ اخلاق کیا جائے۔ قابلِ نفرت سائل پر بھی مال خرچ کیا جائے اور بد طینت لوگوں کے ساتھ نبھایا جائے۔"

شیخ فیاض بن عیاض (م ۱۸۳ھ) نے فرمایا: "فتوت ایسی عفو و بخشش اور سخاوت کا نام ہے جس میں عنایات کے سلسلے میں مومن و کافر کے درمیان کوئی امتیاز روا نہ رکھا جائے۔" اور ایسا ہی قول امام احمد بن حنبل سے بھی منسوب ہے۔

شیخ ابو علی دقاق (م ۴۰۵ھ) کے خیال میں (اگرچہ کتاب الفتوۃ از ابن المعمار میں یہ کسی سے انتساب کے بغیر ہی منقول ہے) "فتوت یہ ہے کہ تو لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے اپنے آپ کو تنہا محسوس کرے اور کبھی خلوت میں جلوت کا احساس رکھے۔"

محمد بن معمار الحنبلی بغدادی (م ۶۴۲ھ) اپنی تالیف 'کتاب الفتوۃ' میں لکھتے ہیں: "فتوت دینِ اسلام کے اخلاقی پہلو کو پیشِ نظر رکھنے اور اس پر عمل کرنے کا نام ہے۔"

شیخ نجم الدین ابوبکر زرکوب تبریزی (م ۷۱۲ھ) نے فارسی زبان میں "فتوت نامہ" لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: "فتوت، ترکِ ماسوی اللہ کا نام ہے اور اس کے تین اجزا ہیں: امرِ خداوندی کی پابندی، سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اہل اللہ کی صحبت۔"[۵]

شاہِ ہمدان، امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی (م ۷۸۶ھ) نے اپنی تالیف "فتوتیہ" (کتاب الفتوۃ) میں لکھا ہے: "فتوت راہِ خدا کے سالکوں کا ایک مقام ہے جو کہ فقر و ولایت کا عملی جز ہے ...... اس نظام کا نقطۂ محور حقوقِ عباد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات

---

[۵] ابن الکربلائی، روضات الجنان و جنان الجنات مطبوعہ تہران ج ۱ ص ۴۱۹

ہیں۔ جب تک کوئی مسلمان اپنے کسی بھائی کی حاجت براری میں لگا رہتا ہے خدائے تعالیٰ خود اس کے مقاصد پورے فرماتا ہے۔" . . . . . " مخلوق خدائے تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کا محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے اور عیال کا خیال رکھے۔" موضوع فتوت کی روح یہی ہے کہ مومن دین اور دنیا کے جملہ امور میں یک جان و ہزار قالب کا مصداق بنے تاکہ انما المؤمنون اخوۃ کی عملی تفسیر اجاگر ہو سکے۔[۸]

شیخ ابو الحسن خرقانی (م ۴۲۵ھ) نے فرمایا: "فتوت ایک بحر عمل ہے جس کے تین دریا سخاوت و شفقت، مخلوق سے بے نیازی اور خدا سے نیازمندی ہیں۔"

علامہ شمس الدین محمد آملی (م ۷۵۳ھ) نے نفائس الفنون فی عرائس العیون جلد دوم کا ایک پورا باب فتوت کی خاطر مخصوص کیا اور اس نظام کے بارے میں لکھا ہے: "جب تک فتوت انتہا تک نہ پہنچے، ولایت کی ابتدا بھی ہاتھ میں نہیں آتی۔ فتوت، تصوف و عرفان کا ایک شعبہ ہے . . . . فتی ہر حال میں خوش و خرم رہ کر دوسروں کی خاطر ناصح مشفق بنا رہتا ہے۔ وہ خود مکارم اخلاق پر عامل رہتا اور دوسروں کو اخلاق و شرافت پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔"

خواجہ ابو الفتح محمد پارسا بخاری نقشبندی (م ۸۲۲ھ) کی اصل عبارت میں فصل الخطاب لوصل الاحباب[۹] سے ملاحظہ ہو: "الفتوۃ اسم لمقام القلب الصافی عن صفات النفس و ذالك الصفا هو زيادة الهدی بعد الايمان۔"

ان تعریفات کے آخر میں ہم ملا حسین واعظ کاشفی ہراتی (م ۹۱۰ھ) کی توضیحات کے اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ موصوف کا "فتوت نامۂ سلطانی"[۱۰] اس موضوع پر مفصل، اور موضوع کے اعتبار سے خاتم کتاب ہے۔ ملائے ممدوح لکھتے ہیں: "فتوت میں ایسے ستودہ صفات اور پسندیدہ کار افراد کے اعمال و افعال سے بحث کی جاتی ہے جو اپنے حسنِ عمل اور محکم قوتِ ارادہ کے بل بوتے

---

[۸] ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد مارچ ۱۹۷۱ء صفحہ ۶۷۹، ۶۸۳

[۹] مطبوعہ تاشقند جلد اول

[۱۰] مطبوعہ بنیاد فرہنگ تہران ۱۳۵۰ ش۔ مصححہ ڈاکٹر محمد جعفر محجوب

پر تائید ایزدی کے مستحق بنتے ہیں۔ یہ لوگ افعال بد سے محترز اور افرادِ معاشرہ کی بہبودی کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ امام جعفر صادقؒ کے ایک قول کے مطابق فتوت کے تین درجے ہیں۔ سخاوت پہلے درجے پر ہے۔ جو مال جائز ذرائع سے ہاتھ آیا ہو اسے مخلوق خداوندی کی خاطر خرچ کرنے میں بخل و خست سے احتراز کیا جائے۔ دوسرا درجہ صفائے باطن کا ہے۔ اپنے قلب کو تکبّر، کینے اور سفلی خواہشات سے پاک رکھا جائے۔ تیسرے درجے کو 'وفا' کا نام دیتے ہیں۔ 'وفا' سے مراد حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فتوت کا موضوع بحث قابل قدر ہے۔ یہ اسلامی توحید اور حقیقی تصوف کے علوم کا ایک شعبہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مقصد یہ ہے کہ نفس انسانی افعالِ حمیدہ پر مائل اور اعمالِ رذیلہ سے مجتنب رہ سکے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خواص نے فتوت کی جو تعریفات کی ہیں ان سے یہ امر مترشح ہے کہ اس نظام کے ذریعے کوشش کی جاتی ہے کہ فطرتِ انسانی کے انوار، بہیمی و شیطانی ظلمات پر غالب آجائیں۔ خلاصہ یہ کہ فتوت کا موضوع بحث، انفرادی و اجتماعی زندگی میں فضائل کا اظہار اور رذائل کا خاتمہ ہے"۔ ان تعریفات کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ واضعینِ فتوت نے اسلام کے نظامِ اخلاق پر زیادہ توجہ دی، مگر بعد کے ادوار میں اس نظام نے دلچسپ برگ و بار نکالے ہیں۔ ان حالات کو مناسب جگہ پر بیان کیا جائے گا۔

اسلامی نظامِ فتوّت کا آغاز

کسی کام کے آغاز و انجام کا کھوج لگانا تحقیق کے اعتبار سے دلچسپ ہے، مگر چونکہ ندریگ و اختتام کے بہت سے مراحل ہوتے ہیں، اس لیے یہاں مفروضات و قیاسات سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ خصوصاً آغاز کے معاملے میں۔ علامہ اقبالؒ کا ارشاد ہے:

خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری "ابتدا" کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری "انتہا" کیا ہے؟[۱۱]

اس کے باوجود نظامِ فتوّت کے آغاز پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ "رسائل فتوت" (موتلف یا موتلفین نامعلوم) میں مرقوم ہے کہ نظامِ فتوت تخلیقِ کائنات کی ابتدا سے

---

[۱۱] اقبال، بالِ جبریل، ص ۸۱

ہی دنیا میں موجود رہا ہے ۔ آدمؑ اور اولادِ آدم نے جب اس خاک دان میں قدم رکھا انھیں خالقِ کائنات کے انعام و اکرام چاروں طرف دکھائی دیئے ۔ انسانی وجود اور کائنات میں مواہبِ خداوندی کی کوئی انتہا نہیں اور ان میں انسانی کوشش کو کچھ بھی دخل نہیں[۵۱۲] اس انعام کی موجودگی سے خدا نے ہمیں فتوّت و جوانمردی پر عمل کرنے کا درس دیا ہے ۔ انسانوں کو بھی ممکن حد تک دوسروں کی خاطر کام کرنا چاہیے ۔ دیگر فتوّت ناموں میں انبیائے کرامؑ کی سیرت کے بعض واقعات کو فتوّت کا نام دیا گیا ہے ۔ مثلاً حضرت آدمؑ کی پُر خلوص توبہ و استغفار ۔ حضرت نوحؑ کی کئی صد سالہ تبلیغ اور صبر و استقامت ۔ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا اپنے جگر گوشہ حضرت اسمٰعیلؑ کو راہِ خدا میں قربان کر دینے کی سعی فرمانا ۔ بُت شکنی کرنا اور اس کی پاداش میں آتشِ سوزاں میں کود جانا ۔ اور اس حالت میں حضرت جبرئیلؑ تک کی مدد لینے سے انکار کر دینا ۔ حضرت یعقوبؑ کا اپنے عزیز فرزند کے فراق میں صابر و شاکر رہنا ۔ حضرت یوسفؑ کا فتنۂ زلیخا میں اپنی عصمت کی حفاظت کرنا اور اپنے خطاکار بھائیوں کو فراخ دلی سے معاف کر دینا ۔ حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ کا ایک دوسرے سے ایفائے عہد کرنا ۔ حضرت داودؑ اور حضرت سلیمانؑ کا بادشاہت و امارت کے باوجود اپنے کسب (بالترتیب زرہ و کلاہ سازی) سے روزی کمانا ۔ حضرت ایوبؑ کا گوناگوں امراض و آلام میں صبر و رضا اختیار کرنا ۔ حضرت یوشعؑ بن نون کا حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے بے لوث تعاون کرنا اور حضرت عیسیٰؑ کا غیر معمولی شفقت و نرمی برتنا ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ رسولِ آخر زمان صلی اللہ علیہ وسلم (سید الفتیان) کی ذاتِ مبارک میں ایسی جملہ صفات مجتمع تھیں ۔ حضرت امیر خسرو دہلوی (م ۔ ۷۲۵ھ) نے کیا عمدہ نعتیہ شعر کہا ہے :

حُسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

---

۵۱۲ ماخوذ از رسائل حکمت و تصوف و فتوّت مخزونہ نمبر ۱۱۷۰، کتب خانہ مرکزی دانش گاہِ تہران ۔

۵۱۳ شیخ مقداد بن عبداللہ السیوری، رسالۃ الفتوۃ، قلمی نمبر ۷۶۹۴ کتب خانہ مجلس تہران ۔

اس سے واضح ہے کہ انبیائے کرامؑ کی پاک زندگیوں کے بعض معروف واقعات کو نظامِ فتوت کے استناد کی خاطر منتخب کیا گیا۔ ان فتوت ناموں میں حضرت ابراہیمؑ کا خصوصی ذکر ملتا ہے اور امتِ مسلمہ کے جدِ امجد (بفحوا: ملۃ ابیکم ابراھیمؑ ھو سمّٰکم المسلمین ۵لا من قبل - ۲۲ : ۷۸) کو فتیان "ابوالفتیان" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

سیرتِ رسولؐ سے رہنمائی

اسلام میں استناد و انتساب کا نقطۂ اولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہے۔ صوفیہ ہوں یا فتیان، سب سنت پر عمل پیرا ہونے کے مدعی رہے ہیں۔ فتیان کی خاطر "حلف الفضول" کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ واقعہ بعثت سے قبل پیش آیا۔ آنحضرتؐ اس وقت ۲۵ برس کے تھے اور اسی سال آپ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے عقد فرمایا۔ حلف الفضول، حربِ فجار کا تتمہ تھا۔ اس حلف کی کیفیت تواریخ میں اس طرح مذکور ہے کہ آنحضرتؐ کی مساعی کے نتیجے میں "فضل" (جمع فضول) نامی بنو اسد، بنو تمیم، بنو زہرہ اور بنو مطلب قبیلوں کے صالح نوجوانوں نے اشتراک کیا اور تعاونِ باہمی، نیز بے کس افراد کی مدد کا ایک معاہدہ رضاکارانہ طے کیا۔ "حلف الفضول" کے تحت یہ افراد مسافروں کی مدد کرنے اور ظالموں کے مقابلے میں مظلوموں کی عملی مدد کرنے کے پابند تھے۔ اور انھوں نے اپنا معدہ نبھایا بھی چنانچہ ایک مرتبہ مکہ کے ایک ظالم تاجر نے ایک مفلوک شخص کی بیٹی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہا تو آنحضرتؐ کی سرکردگی میں اسی گروہ نے اس مظلومہ کو اس قاہر کے چنگل سے نجات دلوائی۔[۴۲] آنحضرتؐ نے بعثت کے بعد بھی اس معاہدہ کا ذکر توصیفی انداز میں فرمایا ہے۔ ابن اثیر کی روایت کے بموجب، آپؐ بعثت کے بعد بھی ایسے معاہدہ میں شرکت کے آرزومند رہتے تھے۔ بہرحال جوانمرد (اجتماعی خدمات کی خاطر) حلف الفضول سے استناد کرتے رہے ہیں۔

نبی اکرمؐ کی سخاوت، بخشش اور شجاعت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ آپ جس حال میں بھی تھے، کبھی کوئی

---

۴۲ ک - و - گیورگیو (مستشرق) محمدؐ - پیغمبرے کہ از نو باید شناخت، مترجمہ ذبیح اللہ منصوری۔ ص ۳۵ - ۳۶ -